OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اساتذہ کی لسانیاتی خدمات کا موازنہ

A Comparison of Linguistic Services of Aligarh Muslim University Teachers

Sohail Akram
Doctoral Candidate, Govt. College University, Faisalabad
Dr. Rabia Sarfraz
Associate Professor, Govt. College University, Faisalabad

Abstract

Linguistics is an ever growing subject. As much attention is required on linguistics in Urdu, the same amount of shortage is being faced. As many experts have written in Urdu linguistics till today, the feeling of thirst remains constant even after reading their books. The main reason for this is that the subject of linguistics is also borrowed from English like other subjects. Due to which the Urdu speaking class has to face difficulties. Ghazal has definitely come to this region through Arabic and Persian. But today in Ghazal, the kind of topics that have been described, huge heaps of manuscripts will not be enough to give the details. Just as Ghazal has been written with full devotion, we cannot be master in linguistics until we make sincere effort. A linguist has to consider the themes of formation, destiny, origin and evolution of language. As many theories of linguists have come to forefront about the structure and origin of language, each presents a new angle on the origin of language. After reading these

CC BY

different views, where the level of knowledge is expanding, the common readers also seem astonished as well. The need is that one center should be considered as the original and the future journey should be planned so that it may be easy and convenient for the beginners. In this article, a small attempt has been made to provide the reader with an introduction to the origin and evolution of linguistics and various branches of linguistics.

Keywords: Linguistics, General Linguistics, The delegation, Terminology, Evolution, formation, destiny

تمہید

اردو لسانیات میں زبان کے ارتقا و ابتدا کو اکثر ماہرین نے موضوع بحث بنایا ہے۔ اِن ماہرین میں مسلم یونیورسٹی سے وابستہ اور یونیورسٹی سے الگ تھلگ رہنے والے ہر دو قسم کے ماہرین ہیں۔ مسلم یونیورسٹی سے وابستہ رہتے ہوئے اردو زبان کے آغاز و ارتقا پر تقریباً ۱۷ کے قریب کتب لکھی گئی ہیں۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو تقریباً ۵ اساتذہ نے اِس موضوع پر قلم فرسائی کی ہے۔ اِن اساتذہ نے اپنے تئیں بھرپور تحقیق کے بعد اردو کے آغاز و ارتقا کے متعلق اپنے نظریات قلم بند کیے ہیں۔ اِس ضمن میں اِن ماہرین نے اردو زبان کو دیگر زبانوں سے ماخوذ بھی بتایا ہے اور اردو زبان پر دیگر زبانوں کے اثرات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ بعض ماہرین اردو کی ابتدا کو چند زبانوں کے آپسی میل کا نتیجہ بتاتے ہیں اور کوئی اسے قدیم زبان بتاتا ہے، ایسی زبان جس کو کوئی نہیں جانتا تھا لیکن آہستہ آہستہ زبان کل ہند زبان بنتی گئی۔ اِن ماہرین نے زبانوں کے بننے، بگڑنے، سنورنے، نکھرنے غرض یہ کہ ہر طرح کے نظریات پیش کیے ہیں۔ اِن ماہرین کے ہاں اردو زبان کو ایک منجھی ہوئی زبان بن جانے کے بعد لاحق خطرات کی طرف بھی اشارے ملتے ہیں اور زبان کے مستحکم رہنے کے لیے ضروری اقدامات کا تذکرہ بھی اِن اساتذہ نے کیا ہے۔ ہم آسانی کے لیے کہہ سکتے ہیں کہ اِن ماہرین نے اردو کے زوال سے عروج اور پھر عروج سے زوال کی طرف جانے کی تمام وجوہات اور کہانیاں یکجا کر دی ہیں۔

اردو زبان کی ابتدا و ارتقا کے حوالے سے اساتذہ کی خدمات کا موازنہ

اِس مقالے کا دوسرا باب اردو زبان کے عروج وزوال کی ساری داستان بیان کر رہا ہے۔ دوسرے باب میں سب سے پہلے عبد الغفار شکیل کی خدمات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ عبد الغفار شکیل اردو زبان کو درپیش مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ زبان پیغام رسانی کا اہم ذریعہ ہے۔ اگر ہم پیغام رسانی کے ذریعہ پر توجہ مرکوز نہیں کریں گے تو بہت جلد بے زباں ہو جائیں گے۔ اُن کی یہ بات قابل غور ہے کہ اگر کوئی پیغام رسانی کے ذریعے کو اہمیت نہیں دے گا تو آئندہ نسلوں کو میراث کے طور پر

کیا دے کر جائے گا۔ انسان اپنی زندگی کے تمام امور زبان کے ذریعے سے حل کرتا ہے اور اسی کے وسیلے سے اپنے خیالات و جذبات کو بروئے کار لاتا ہے۔ اگر ہم اردو کی ابتدا کے متعلق اُن کے خیال کی بات کریں تو عبد الغفار شکیل کا کہنا ہے کہ اردو کی ابتدا کو عموماً مسلمان اور ہندوؤں کے ملاپ کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے جبکہ؛ یہ بات کلی طور پر درست نہیں۔ فاضل مصنف کا کہنا ہے کہ اردو کی ابتدا کے متعلق کوئی بھی حتمی رائے نہیں دی جاسکتی وجہ یہ ہے کہ اردو کی ابتدا کی تاریخ کبھی باوثوق ذرائع کی بنیاد پر تحریر ہی نہیں کی گئی۔ اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو یہ کہنے میں کسی قسم کی دقت نہیں ہونی چاہیے کہ اردو کی ابتدا کے متعلق آج تک تاریخ سازی ہوئی ہے تاریخ نگاری کبھی نہیں ہوئی۔ عبد الغفار شکیل اپنی کتاب "زبان و مسائل زبان" میں اِس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اردو کی ابتدا کا علم حاصل کرنے کے لیے اِس کے قواعد و گرامر کا علم ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر کہا جائے کہ اردو کے متعلق اُن کی حتمی رائے کیا ہے تو اِس کا جواب نفی میں آتا ہے لیکن تھوڑا بہت اشارہ انھوں نے کیا ہے کہ اردو نواحِ دہلی کی بولی ہے جو دکن میں جا کر زور پکڑتی گئی۔

عبد الغفار شکیل کی خدمات

عبد الغفار شکیل نے ایک چیز جو واضح کی ہے وہ یہ کہ اردو پنجابی سے ماخوذ ہونے والا نظریہ حافظ محمود شیرانی کا طے کردہ نہیں ہے بلکہ اِس نظریے کی ابتدا اشیر علی سرخوش کے ہاں ہوتی ہے۔ اردو کی ابتدا کے بارے میں مختلف نظریات گردش کر رہے تھے لیکن عبد الغفار شکیل نے اردو پر میسور کے اثرات کا تذکرہ اپنی کتاب "لسانی و تحقیقی مطالعے" میں کیا ہے۔ اِس ضمن میں انھوں نے قدیم اور جدید اردو کے چند نمونے بھی پیش کیے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ میسور میں یہ زبان کئی صدیاں مسلمانوں کے خیالات کی ترسیل کا ذریعہ رہی ہے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو لسانیاتی خدمات کے حوالے سے اُن کی کاوش قابل ستائش ہے اور اُن کی کتب میں درج نظریات اُن کی تحقیق کا اہم ثبوت ہیں۔ انھوں نے مسلم یونیورسٹی کی علمی روایت میں اہم کام انجام دیا ہے۔ لسانیات کی ابتدا و ارتقا میں اِن کو اہم نہیں مانا جاسکتا کیونکہ وہ کوئی بھی حتمی اور سمجھ میں آنے والا نظریہ پیش نہیں کرتے۔

عتیق احمد کی خدمات

اگر ہم عتیق احمد کی خدمات کا جائزہ لیں تو پتا چلتا ہے کہ انھوں نے اپنی اولین کتاب میں اپنا کوئی بھی نظریہ پیش نہیں کیا۔ وجہ یہ ہے کہ "توضیحی لسانیات" اِن کی اپنی کتاب نہیں بلکہ ایچ۔ اے گلیسن کی کتاب ہے جس کو عتیق احمد نے ترجمہ کیا ہے۔ بہر حال وہ اِس کتاب میں زبان کو دو طرح سے دیکھتے ہیں اول "بیان" دوم "مضمون"۔ اُن کے نزدیک زبان خیالات کو بیان کرنے کا ذریعہ ہے۔ اُن کا ماننا ہے کہ زبان کی ابتدا و تاریخ کا پتا لگانے کے لیے زبان پر معروضی نگاہ ڈالنی ہوگی۔ جب ہم کسی زبان کو معروضی سطح پر پرکھیں گے تو ہمیں زبان میں موجود اسقام اور اُس زبان پر دیگر زبانوں کے اثرات کا پتا چل جائے گا۔ جس سے کسی زبان کی تاریخ تک پہنچنا آسان ہو جائے گا۔ اُن کا کہنا ہے کہ جب کوئی زبان رائج ہونا شروع ہوتی ہے تو وہ یک دم ہی پَر نہیں نکالتی بلکہ اُس کو ارتقا کے مراحل سے گزرنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ جب زبان ارتقائی حالت سے تکمیل کی طرف گامزن ہوتی

ہے اِس دور میں زبان دیگر زبانوں سے اثرات اخذ کر رہی ہوتی ہے بل آخر یہ اِس مقام پر پہنچ جاتی ہے کہ جو ایک وقت تک خود اثر قبول کرتی رہی تھی اب وہ دوسری زبانوں کو متاثر کر رہی ہے۔

"ہند آریائی اور ہندی"

عتیق احمد کا دوسرا اہم مرقع "ہند آریائی اور ہندی" ہے جو اُنھوں نے سُنیتی کمار چیٹر جی کی کتاب کو ترجمہ کر کے قارئین کے لیے پیش کیا۔اِس کتاب میں اردو کی ابتدا کے متعلق لکھا ہے کہ اردو نے سنسکرت سے پیدا ہونے والی بولیوں سے جنم لیتے لیتے کبھی پالی، کبھی ماگدھی، کبھی ہندی، کبھی اپ بھرنش غرض مراٹھی،بنگالی، دکنی وغیرہ کے ناموں سے موسوم ہوتی ہوئی بل آخر اردو کے نام سے جانی گئی۔اِس کتاب میں ہندوستان اور گردونواح میں اردو زبان کو استعمال کرنے والوں کی تعداد اور اردو کے مختلف لہجوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔قصہ کوتاہ انھوں نے اردو کو ہندی سے ماخوذ بتایا ہے۔اُن کا کہنا ہے کہ اردو ہندی زبان کا مسلمان روپ ہے اگر اِس زبان سے عربی، فارسی کے الفاظ منہا کر دیں تو یہ ہندی بن جاتی ہے۔وہ اردو کو اِس کے موجودہ روپ میں رسم الخط اور الفاظ کی وجہ سے نہیں مانتے۔اُن کا کہنا ہے کہ اردو اور ہندی کے لیے اِن کے موجودہ رسم الخط ترک کر کے رومی رسم الخط کو اپنانا چاہیے جو دونوں زبانوں کو باہم ملا دے گا۔اردو کی تاریخ وارتقا کے حوالے سے عتیق احمد کا اپنا کوئی نظریہ سامنے نہیں آتا البتہ انھوں نے دو کتابوں کو ترجمہ کر کے لسانیاتی خدمات کا ثبوت دیا ہے جو کہ ماہرین لسانیات کے لیے بڑا مفید ہے۔یہ ضروری نہیں کہ جو نظریہ ہمارے دل کو لگے وہی درست نظریہ ہے بلکہ ہماری سوچ سے ہٹ کر جو نظریات پیش کیے جاتے ہیں وہ ہمیں مزید سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔اُن کی اس کاوش کو ہمیشہ سراہا جاتا رہے گا۔

محمد انصار اللہ کی خدمات

اردو کی تاریخ وارتقا کے حوالے سے مقالہ ہذا میں تیسرا اہم نام محمد انصار اللہ کا ہے۔انھوں نے اردو کو دیگر ماہرین کی طرح قدیم تر بتایا ہے اور اِس کی جڑیں تمل زبان میں جا تلاش کی ہیں۔اُنھوں نے واضح کیا ہے کہ اردو زبان کا سنسکرت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اردو ہندوستان کی مقامی زبانوں کی مرہونِ منت ہے جبکہ؛ سنسکرت آریائی زبان ہے اور آریائی خاندان کی آمد کے ساتھ ہی ہندوستان میں وارد ہوئی تھی۔فاضل مصنف کا ماننا ہے کہ تمل زبان دراوڑی زبانوں سے ماخوذ ہے اور اردو کے اکثر حروف انھیں دراوڑی زبانوں سے تمل اور تمل سے اردو میں رائج ہو گئے ہیں۔انھوں نے ٹ،ڈ اور ڑ کو مقامی زبانوں کے حروف بتایا ہے اور یہی اردو میں معکوسی آوازیں کہلاتی ہیں جو تمل سے اردو میں آئیں۔انصار اللہ نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ اردو میں رائج اکثر اصناف بھی تمل ہی کے ذریعے سے اردو میں آئی ہیں۔انصار اللہ کی کتاب میں ایک سقم پایا جاتا ہے،وہ ایک طرف ہائیہ آوازوں کو دراوڑی الاصل بتاتے ہیں ساتھ ہی اِس بات کا اقرار بھی کرتے ہیں کہ ہائیہ آوازوں کے لیے دراوڑی میں کوئی رسم الخط نہیں تھا یہ آوازیں سنسکرت میں آنے کے بعد رسم الخط بھی حاصل کر تیں ہیں اور تلفظ بھی۔بہر حال وہ اردو کو تمل زبان

سے ماخوذ بتاتے ہیں لیکن کوئی ٹھوس اور سمجھ میں آنے والے دلائل پیش نہیں کرتے المختصر اُن کی اِس کاوش کو اردو لسانیات میں سراہا جاتا ہے۔ لیکن اُن کو مسلم یونیورسٹی کی اِس روایت میں اہم مرتبہ نہیں دیا جاسکتا۔

مسعود حُسین خاں کی خدمات

اردو زبان کے آغاز کے متعلق مسعود حُسین خاں نے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ انھوں نے اردو کی ابتدا کے متعلق اپنی کتب میں جو نظریات پیش کیے ہیں اُن کی اگر مکمل تصویر کشی کی جائے تو وہ اردو کو نواح دہلی کی بولی مانتے ہیں۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ فاضل مصنف اچانک ہی یا ایک ہی لمحے میں اردو کو نواح دہلی کی بولی نہیں مان لیتے۔ انھوں نے اردو کی ابتدا و ارتقا کو دیگر ماہرین کی مانند سنسکرت زبان سے ترقی کرتے اور ادلتے بدلتے نیز دیگر زبانوں کو ترقی کرتے اور مرتے ہوئے نئی پیدا ہونے والی زبانوں سے کچھ لیتے اور کچھ دیتے ہوئے ماخوذ بتایا ہے۔ مسعود حُسین خاں مانتے ہیں کہ دکن میں اردو کو دکنی کہا گیا اور اِس کا قدیم روپ ہندی تھا آہستہ آہستہ یہ اردو کے موجودہ روپ میں نظر آئی۔ اُن کے نزدیک اردو کا آغاز ۱۲۰۰ء سے ۱۴۰۰ء کے درمیان شروع ہوا جسے قدیم اردو کہنا چاہیے۔ مسعود حُسین خاں کے نزدیک اردو کا موجودہ روپ یا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو کا دورِ عروج ۱۸۵۷ء کے بعد آتا ہے۔ مسعود حُسین خاں کہتے ہیں کہ، کسی انقلاب یا تبدیلی کی وجہ سے زبان کا ترک کر دینا انتہائی خطرناک عمل ہے۔ اِس ضمن میں اُن کا یہ بیان قابلِ توجہ ہے، کہتے ہیں کہ:

> "جب کسی سیاسی انقلاب کے تحت کوئی جماعت اپنی زبان کے ترک پر مجبور ہو جاتی ہے، تو اُس کی ذہنی موت کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اُس کی تہذیبی انفرادیت ختم ہونے لگتی ہے اور تحقیقی اعتبار سے وہ مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔"[1]

زبانوں اور تہذیبوں کا سفر

اردو کو عروج تک پہنچنے کے لیے مختلف علاقوں، زبانوں اور تہذیبوں کا سفر کرنا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ گرتی پڑتی زبان آخر کار اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی۔ مسعود حسین خاں نے اردو کو درپیش مسائل کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اِن مسائل کی وجہ اور تدارک کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ فاضل مصنف نے یہ بھی واضح کیا کہ دورِ قدیم اردو میں تذکیر و تانیث اور جمع بنانے کے قاعدے کو نسے تھے آخر کار یہ اپنے اصل روپ میں کیسے آئے۔ مسعود حُسین خاں نے اردو کو ہر طرف سے دیکھا اور اِس کو لاحق اسقام کا تذکرہ اپنی کتب میں جابجا کیا ہے۔ انھوں نے ماہرین زبان کے لیے اصول بھی وضع کیے اور انھیں اردو لغات مرتب کرنے کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ انھوں نے دنیا کی زبانوں کا مطالعہ کر کے اُن کے مقابلے میں اردو کے مقام کو بھی متعین کیا اور اِس زبان کے سرمائے کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ مسعود حُسین خاں نے اردو کے ابتدائی نقوش جن کتب میں ملتے ہیں اُن کو سامنے رکھ کر اِس کی تاریخ کا مطالعہ کر کے اِس بات کا تعین کیا کہ اردو کا برج بھاشا سے کوئی تعلق نہیں بلکہ قدیم اردو کھڑی بولی کے رنگ میں

رنگی ہوئی ہے۔ مسعود حُسین خاں نے اِس بات کی تردید کی ہے کہ اردو مسلمانوں کی آمد سے ہندوستان میں رائج ہوئی یا پروان چڑھی بلکہ اُن کا ماننا ہے کہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے بھی اِس زبان کے نقوش اِس خطے میں ملتے ہیں۔

برج بھاشا، پنجابی، ہریانوی زبانوں کے اثرات

قصۂ مختصر مسعود حُسین خاں اردو میں کھڑی بولی، برج بھاشا، پنجابی، ہریانوی اور دیگر زبانوں کے اثرات کے قائل ہیں۔ وہ اردو زبان کو نواح دہلی کی بولیوں کے قریب ترین سمجھتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو دہلی کے قرب و جوار میں میواتی، کھڑی بولی، ہریانوی اور برج بھاشا وغیرہ زیادہ مستعمل تھیں۔ اِس کا مطلب اردو زبان دہلی کے مرکز میں موجود تھی لیکن یہ گری پڑی تھی جسے پاس پڑوس کی بولیوں نے سہارہ دے کر کھڑا کیا اور آخر کار چلنا سکھایا جس کے باعث یہ آج تک اپنے اِس وقار کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ یاد رہے کہ اُن کے نزدیک اردو کا علاقہ دہلی کا گرد و نواح اور اِس کو متاثر کرنے والی بولیاں دہلی کے گرد و نواح کی بولیاں ہیں۔

"مضامین مسعود"

اردو رسم خط کے متعلق انھوں نے "مضامین مسعود" میں بڑی تشویش کا اظہار کیا ہے۔ اردو رسم الخط کو ختم کر کے دیوناگری رسم الخط کی طرف رجحان بڑھانے کے بارے میں اکثر اہل زبان اور دیگر لوگوں کے ہاں اشارے ملتے ہیں جس کی تردید مسعود حُسین خاں نے بڑی شدت سے کی ہے۔ اُن کا ماننا ہے کہ اردو کا رائج رسم الخط اردو کی اہمیت اور بقا کا ضامن ہے اِس کو ترک کرنا اردو زبان کو ترک کرنے کے مترادف ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اردو کے لیے دیوناگری رسم الخط اِس لیے ضروری قرار دے رہے ہیں تاکہ آہستہ آہستہ زبانِ اردو صفحہ ہستی سے مٹ جائے۔ تاریخ و ابتدا کے حوالے سے مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ میں سب سے زیادہ کتب مسعود حُسین خاں نے تحریر کی ہیں۔ انھوں نے زبان کی ابتدا، ارتقا، تشکیل، تقدیر، آغاز، تاریخ غرض یہ کہ ہر طریقے سے تحقیق کی ہے۔ میرے خیال میں اُن کی یہ محنت انھیں ہمیشہ زندہ و جاوید رکھے گی۔ فاضل مصنف نے تقریباً سات کتابوں میں اردو کی تاریخ اور رسم الخط کے حوالے سے اپنے نظریات پیش کیے ہیں۔

مرزا خلیل احمد بیگ کی خدمات

مرزا خلیل احمد بیگ بھی اردو کی تاریخ و ابتدا میں قابل ذکر شخصیت ہیں۔ مرزا خلیل احمد بیگ نے اردو کے آغاز اور ارتقا کے بارے میں مختلف نظریات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے نظریے کی وضاحت کی ہے۔ انھوں نے اردو لسانیات کے حوالے سے کئی کتب یادگار چھوڑی ہیں لیکن اردو کی تشکیل و ارتقا کے بارے میں اُن کی چار کتب قابل ستائش ہیں۔ فاضل مصنف نے اردو کی ترقی کے ضمن میں لکھا ہے کہ سنسکرت زبان میں جب علمیت کا عکس زیادہ دیکھائی دینے لگا تو عام لوگوں کو ایک ایسی زبان کی تلاش ہوئی جو کہ ثقیل الفاظ اور قواعد سے پاک ہو۔ غرض یہ کہ سنسکرت سے نکل کر لوگ عام زبان کی طرف راغب ہوئے جو کہ پراکرت کہلاتی ہے پراکرت میں سنسکرت کی نسبت ادبیت کم پائی جاتی ہے۔ ایک عرصے تک پراکرتیں اظہار خیال کا ذریعہ

بنی رہیں اِن پراکرتوں کی تعداد پانچ تھی۔ جب پراکرت بھی ادب کے رنگ میں رنگی گئی تو اِن پراکرتوں کے ملاپ سے اپ بھرنش وجود میں آئی اپ بھرنش کی تعداد چھ تھی (مسعود حسین کے مطابق پانچ تھی)۔ مرزا خلیل احمد بیگ کا ماننا ہے کہ اردو اِنھیں اپ بھرنشاؤں کے ایک روپ شور سینی اپ بھرنش کی رہینِ منت ہے۔ جب یہ بولیاں (اپ بھرنش) ہندوستان کے طول و عرض میں اپنے پاؤں پیوسط کر رہی تھیں اِن میں مزید علاقائی اور بیرونی الفاظ بھی اپنی جگہ بنا رہے تھے۔ جب شور سینی اپ بھرنش اپنے اصل علاقے یوپی سے بال وپر نکالنا شروع ہوئی تو اِس سے مغربی ہندی کی چند بولیوں نے جنم لیا اِن میں سے ایک بولی جو کہ کھڑی بولی کہلاتی ہے اردو کا پیش خیمہ بنی۔ خلیل احمد بیگ اردو کی اِس تشکیل اور ارتقا میں ہندوستانی تہذیب و ثقافت اور ماحول کو بھول نہیں جاتے بلکہ اُن کا کہنا ہے کہ موجودہ اردو اِسی ماحول میں نکھر سنور کر پروان چڑھی۔ فاضل مصنف کا کہنا ہے کہ اردو کے دیگر نام ہندی، ہندوی، ریختہ اور اردو مسلمانوں کی آمد کے بعد میں رائج ہوتے ہیں۔ اُن کے مطابق اگر اردو میں فارسی، عربی الفاظ شامل نہ ہوتے تو یہ آج بھی کھڑی شکل میں ہی رائج ہوتی۔ دراصل شور سینی اپ بھرنش سے جب جدید ہند آریائی زبانیں (پنجابی، کھڑی بولی، راجستھانی، گجراتی، برج بھاشا وغیرہ) جنم لے رہی تھیں اُس زمانے میں اِن نئی پیدا ہونے والی بولیوں نے اپنے گردونواح کی بولیوں کے اثرات قبول کرنا شروع کر دیئے تھے۔ اِسی اثنا میں کھڑی بولی نے عربی فارسی کے قرب کی وجہ سے اِن زبانوں سے اثرات قبول کیے اور اِسی رسم الخط میں پناہ لی۔ قصۂ کوتاہ مرزا خلیل احمد بیگ اردو کے آغاز وارتقا میں کھڑی بولی کو معاون مانتے ہیں۔ مرزا خلیل احمد بیگ نے اردو کی ابتدا کے متعلق موجود نظریات کی تردید بڑے واشگاف الفاظ میں کی ہے، کہتے ہیں کہ:

> "دکن میں اردو کی ابتدا اور ارتقا سے متعلق بعض محققین نے بڑے غلط اور بے بنیاد نظریات پیش کیے ہیں۔ جس طرح سید سلمان ندوی (1884ء-1953ء) اردو کی جائے پیدائش سندھ قرار دیتے ہیں کیونکہ مسلمان سب سے پہلے سندھ میں داخل ہوئے تھے۔ اسی طرح بعض اہلِ علم نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اردو دکن میں پیدا ہوئی کیونکہ مسلمان اولاً علاقہ سندھ کے علاوہ سواحلِ مالا بار اور کارمنڈول پر بھی نمودار ہوئے تھے۔"[2]

اردو اور ہندی کو ایک ماننے والوں کے نظریات کی تردید

خلیل احمد بیگ نے اپنی کتب میں اردو اور ہندی کو ایک ماننے والوں کو بھی آڑے ہاتھوں لیا اور اُن کی کتب و نظریات کی تردید دلائل کے ساتھ پیش کی ہے۔ گیان چند جین نے یہ نظریہ دیا تھا کہ اردو اور ہندی ایک ہی زبان ہے، بس اِن میں رسم الخط کا فرق ہے۔ خلیل احمد بیگ نے اپنی کتاب "ایک بھاشا جو مسترد کر دی گئی" میں اِس نظریے کی تردید کی ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں گیان چند جین کی کتاب کے چند اقتباسات بھی پیش کیے ہیں۔ گیان چند جین کے اقتباسات پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ یہ کوئی ماہر زبان نہیں بلکہ کوئی متعصب محقق اپنی رائے دے رہا ہے۔ خلیل احمد بیگ نے اپنے سے پیشتر نظریات کی تردید

بھی کی ہے انھوں نے پنجاب، سندھ، دکن وغیرہ نظریات کو فرسودہ قرار دیا ہے۔ فاضل مصنف نے اردو رسم الخط کے بارے میں بھی دیگر ماہرین لسانیات سے زیادہ قوی اور مضبوط نظریہ پیش کیا ہے۔ ہندوستان میں اِس خواہش کا اظہار بارہا کیا گیا کہ، کیوں نہ اردو کے لیے بھی دیونا گری رسم الخط کو ہی اپنا لیا جائے۔ خلیل احمد بیگ نے بتایا کہ دیونا گری رسم الخط میں اردو حروف تہجی کے اکثر حروف (ف، ز، ژ، خ، غ وغیرہ) نہیں لکھے جاسکتے، اِس لیے اردو کے لیے نسخ و نستعلیق ہی قابل لحاظ ہیں۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اساتذہ کو اردو زبان کے آغاز و ارتقا اور تشکیل و ابتدا کے حوالے سے دیکھا جائے تو عبدالغفار شکیل دہلی کے نواح کو اردو کے لیے اہم قرار دیتے ہیں۔ عتیق احمد چونکہ مترجم کے طور پر آتے ہیں بہر حال اُن کی ترجمہ شدہ کتب کے مطالعے سے اردو اور ہندی ایک ہی زبان کے دو روپ دیکھائی دیتے ہیں۔ انصاراللہ اردو پر تمل زبان جو کہ دراوڑی خاندان کی زبان ہے کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ مسعود حُسین خاں دہلی کے گردو نواح کی بولیوں کو اردو کا پیشرو سمجھتے ہیں۔ اِن سب سے الگ اور پورے قرینے سے زبانوں کی ترقی اور ان سے جنم لینے والی دیگر زبانیں اُن زبانوں کا دیگر زبانوں کے ساتھ تعلق اور اُن میں سے اردو کو بر آمد کرنے والے مرزا خلیل احمد بیگ ہیں۔ میرے خیال میں اردو زبان کی تاریخ وابتدا کا سہرہ مرزا خلیل احمد بیگ جبکہ، اردو کے رسم الخط اور اردو کو درپیش مسائل کا حل تلاش کرنے کی دستار مسعود حُسین خاں کے سر ہے۔ مجموعی طور پر تمام اساتذہ کی کاوش و محنت اور خدمات قابل ستائش ہیں۔

قواعد و گرامر کے حوالے سے اساتذہ کی خدمات کا موازنہ

قواعد زبان کی جان ہوتے ہیں، لیکن قواعد کو زبان کی بنیاد نہیں کہا جاسکتا۔ زبان قواعد کے بل بوتے پر اپنی کانٹ چھانٹ کر سکتی ہے، اپنا راستہ متعین کر سکتی ہے، جبکہ زبان کی ابتدا اور ترقی میں قواعد کی خاص اہمیت نہیں ہوتی۔ قواعد کی ضرورت دراصل غیر زبان کو اہل زبان کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ اگر کہا جائے کہ زبان دوران ارتقا قواعد کی خواہش مند ہوتی ہے تو غلط نہ ہو گا۔ کسی بھی زبان کے اصول ایک ہی وقت میں متعین نہیں ہو جاتے بلکہ یہ اصول ضرورت کے مطابق وضع ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے ہی یہ اصول وضع ہو جاتے ہیں پھر اِن سے مفر ناممکن ہو جاتا ہے۔ جب تک کہ اِن اصولوں کی جگہ اِن کے متبادل اصول وضع نہ کر لیے جائیں۔ اگر کہا جائے کہ قواعد زبان کی وہ کڑیاں بن جاتے ہیں جو زبان کو جکڑے رہتے ہیں اور اِس کو بکھرنے سے بچاتے ہیں تو غلط نہ ہو گا۔ زبان کے اِن متعین اصولوں کی اصل ضرورت غیر زبان کو محسوس ہوتی ہے۔ اہل زبان کو اِن قواعد کی ضرورت غیر زبان کی نسبت بہت کم محسوس ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آغاز میں بچے اپنی مادری زبان کو بولنے کے لیے کسی قسم کی دقت محسوس نہیں کرتے خود بخود اسما و ضمائر اور افعال کو جانتے جاتے ہیں اور گفتگو کا حصہ بناتے جاتے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ اُن کو اِس بات کا ادراک نہیں ہوتا کہ اسم و ضمیر اور فعل کا یہ فرق ہے کیا۔ اِن کی نسبت غیر زبان چونکہ سمجھدار ہوتے ہیں اِس وجہ سے انھیں آغاز میں ہی قواعد کی ضرورت پیش آتی ہے اِس کا یہ ہر گز مطلب نہیں ہے کہ اہل زبان کو قواعد کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ مختصراً یہ کہ اردو داں طبقے نے جب دیکھا کہ ہندوستان میں وارد غیر زباں اردو کی طرف راغب ہیں اور انھوں

نے اپنی زبان کو قواعد وضوابط کے ساتھ استعمال کرنے کی طرح ڈالی ہے تو اردو زبان کے شناساؤں کو بھی اِس بات کی ضرورت پیش آئی کہ اِس کے اصول بھی متعین کیے جائیں۔ اردو کے اصول و قواعد پر لکھنے کا سلسلہ گو کہ انشاءاللہ خاں انشا کے زمانے سے ہو چکا تھا لیکن اِس میں وہ تکمیل نظر نہیں آتی تھی جس کی ضرورت تھی۔ بہر حال آغاز میں اردو قواعد کی بنیاد ڈالنے میں انگریز قلم کاروں کا خاصہ حصہ ہے جس کے بعد اہل زبان بھی اِس طرف گامزن ہوئے۔ اردو کے قواعد و گرامر پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اساتذہ سے پیشتر ہی ایک سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اِس ضمن میں انھوں نے اپنے سے پہلے کی روایت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے تئیں بھرپور کوشش کی جس میں ۶ اساتذہ قابل ذکر ہیں۔ اردو قواعد پر مسلم یونیورسٹی میں دس کے قریب کتب لکھی گئی ہیں۔ مسلم یونیورسٹی سے وابستہ رہتے ہوئے تمام ماہرین نے بھرپور محنت کے بعد اپنی خدمات انجام دیں۔ یہاں اُن اساتذہ کی کتب کے حوالے سے اُن کی کاوشوں کو دیکھا جائے گا۔ ابواللیث صدیقی نے یونیورسٹی سے وابستہ رہتے ہوئے دو کتب یادگار چھوڑی ہیں۔ اِن میں سے ایک بنجمن شُلزے کی کتاب کا ترجمہ اور دوسری اُن کی اپنی تصنیف ہے۔ ترجمہ شدہ کتاب میں اردو قواعد کی وہ خوبی نظر نہیں آتی جو کہ درکار ہے۔ انھوں نے اِس میں اسم، حرف، حروف تہجی، فعل اور ضمائر پر بحث کی ہے۔ ہم سمجھ سکتے ہیں کہ غیر زباں، اردو کے قواعد کا وہ حق ادا نہیں کر سکتے جس کی تمنا کسی زبان کو ہوتی ہے۔ ہمیں یہ سقم اِس کتاب میں بار ہا نظر آتا ہے۔ اِس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے اِس کتاب میں اردو قواعد کی بنیاد، ایک راستہ متعین کر دیا تھا جس پر آگے چل کر ایک پوری عمارت تعمیر ہو سکتی تھی اور ہوئی بھی۔ اسم کو جس طریقے سے اقسام کے ساتھ بیان کرنا چاہیے تھا اور اس کے استعمال کے طریقے بتانے چاہیے تھے "ہندوستانی گرامر" میں یہ چیز نظر نہیں آتی۔ حروف تہجی کے باب میں وہ لکھتے ہیں کہ اردو کے ۳۳ حروف ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اہلِ زبان کا اِس پر بھی اعتراض موجود ہے۔ ضمائر میں ہم "وہ" استعمال کرتے ہیں جبکہ اِس کتاب میں "او" لکھا ہوا ہے۔ الغرض اس کو اردو قواعد کی کوشش کہا جا سکتا ہے مکمل یا جامع کتاب نہیں۔

ابواللیث صدیقی کی "جامع القواعد"

ابواللیث صدیقی کی قواعد کے متعلق اہم ترین کتاب "جامع القواعد" ہے اِس کتاب میں انھوں نے اردو قواعد کی اکثر شاخوں کا تذکرہ کیا ہے اگر کہا جائے کہ بنجمن شُلزے کی کتاب کا ترجمہ کرنے کے بعد فاضل مصنف کو اِس چیز کا احساس ہو گیا تھا کہ اردو قواعد پر کوئی جامع اور مکمل کتاب ہونی چاہیے تو غلط نہ ہو گا۔ انھوں نے بنجمن شُلزے کی کتاب سے ہی اِس تشنگی کو محسوس کیا ہو گا اور بل آخر اردو قواعد و گرامر کا ایک مرقع اُن کے قلم کا مرہون منت بنا۔ اردو زبان کی قواعد اکثر ماہرین نے مرتب کی ہے جن کا تعلق مسلم یونیورسٹی سے ہے اور جو مسلم یونیورسٹی سے وابستہ نہیں تھے۔ ہر کسی قواعد نویس نے اپنے تئیں بھرپور کوشش کی ہے۔ ابواللیث صدیقی کی یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے اِس میں انھوں نے اردو زبان کی تاریخ کو پہلے دو ابواب میں بیان کرنے کے بعد آئندہ کے آٹھ ابواب میں قواعد کو ہی موضوع گفتگو بنایا ہے۔ اردو زبان اپنے اصول وضع کر چکی تھی جو کہ وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ ترامیم کے مراحل سے گزرتے رہے۔ جس کی عمدہ مثال ابواللیث صدیقی کی کتاب سے ملتی ہے۔ اُنھوں

نے اِس کتاب کا ایک باب قواعد کے لیے مختص کیا ہے۔ اس باب کے مطالعے سے قواعد کے عروج وزوال اور مختلف زبانوں کے قواعد نویسوں کی کوشش اور کاوش سامنے آتی ہے۔ اس باب میں اولیں قواعد نویس سے اردو کی قواعد و گرامر تک کے اکثر ماہرین کا تذکرہ ملتا ہے۔ فاضل مصنف نے یہ بھی بتایا کہ اردو زبان کے قواعد نویسوں میں ۲۲ کے قریب انگریز قواعد نویس بھی قابل قدر کام کر چکے ہیں۔ فاضل مصنف نے ان انگریز قواعد نویسوں اور ان کی کتب کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے ہندوستانی ماہرین کی خدمات کا جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ بہر حال اردو کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اردو نے قواعد نویسی کا فن فارسی سے اور فارسی نے یہ فن عربی سے مستعار لیا ہے۔

قواعد اور اقسام کا ذکر بھی

ابو اللیث صدیقی نے اردو املا، صرف و نحو، اسم، فعل،، حرف، مرکب اور مشتق غرض یہ کہ اکثر اقسام کا تذکرہ اُن کی تعریفیں، بنانے کا طریقہ، اور ذیلی شاخوں اور اقسام کا ذکر بھی کیا ہے۔ انھوں نے آسان اور سادہ زبان میں اِن قواعد کو مثالوں کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی ہے جس سے اہلِ زبان اور عام قارئین بہ آسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔ مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ میں سے کسی دوسری شخصیت نے اردو قواعد کے لیے ایسی محنت نہیں کی جس کی مثال ابو للیث صدیقی کے ہاں نظر آتی ہے۔ مسلم یونیورسٹی میں اردو قواعد نویسوں کا جب بھی تذکرہ ہو گا سب سے اہم انھیں کی خدمات کو سمجھا جائے گا۔ یاد رہے کہ اُن کی کتاب اردو قواعد کی اعلیٰ کتاب نہیں کہی جا سکتی البتہ یونیورسٹی کے اساتذہ میں سے انھیں اولیت کا حق دار سمجھا جا سکتا ہے۔

دوسرا نام اقتدار حُسین خاں

قواعد کے حوالے سے دوسرا نام اقتدار حُسین خاں کا ہے۔ انھوں نے بیشتر کام جدید لسانیات کے حوالے سے کیا ہے۔ البتہ اِن کا کچھ حصہ قواعد کے اعتبار سے بھی قابل دید ہے۔ اقتدار حُسین نے قواعد پر الگ سے کوئی کتاب یادگار نہیں چھوڑی اُن کا قواعد پر مبنی کام، اُن کی کتاب "اردو صرف و نحو" میں موجود ہے۔ اقتدار حُسین نے اِس کتاب میں قواعد کی تعریف بیان کی ہے اور اُن اصولوں اور قاعدوں کا زبان کے لیے ہونا کتنی اہمیت کا حامل ہے اِس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اُن کی اس خدمت میں سب سے اہم بات صرف یہ ہے کہ انھوں نے قواعد کی اقسام گنوائی ہیں۔ اِن کے علاوہ جتنے بھی ماہرین یونیورسٹی سے وابستہ تھے کسی نے بھی اردو قواعد کی اقسام کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ اُنھوں نے بتایا ہے کہ بیانیہ قواعد، تخالفی قواعد، توضیحی قواعد اور حوالہ جاتی قواعد کیا ہوتی ہے۔ اِس حصے میں فاضل مصنف نے نہ صرف قواعد کی اقسام بتائی ہیں بلکہ اِس کے استعمال کے طریقے اور اِن کی اہمیت کے متعلق بھی روشنی ڈالی ہے۔ اقتدار حُسین خاں جملے کے متعلق لکھتے ہیں کہ جملہ دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ جملے کا ایک حصہ معانی سے متعلق ہوتا ہے جبکہ جملے کے دوسرے حصے میں الفاظ کی اہمیت کو دیکھا جاتا ہے۔ جملے کے لیے انھوں نے جزو متصل کی اصطلاح وضع کی ہے، جس کا مقصد چھوٹے جملے کو بڑے جملے میں تبدیل کرنے کا عمل ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر

دیکھا جائے تو انھیں اچھا قواعد نویس نہیں کہا جاسکتا البتہ اُن کی خدمات کو سراہا جاسکتا ہے۔اُن کی اس مخصوص کاوش کو دیکھ کر لگتا ہے کہ اگر وہ قواعد کی طرف توجہ دیتے تو بہت کچھ خدمت کر سکتے تھے۔

تیسرا نام سمیع اللہ اشرفی

مسلم یونیورسٹی سے وابستہ رہتے ہوئے قواعد پر اپنے خیالات دینے والوں میں تیسرا نام سمیع اللہ اشرفی کا ہے۔ سمیع اللہ اشرفی نے "اردو اور ہندی کے جدید مشترک اوزان" کے عنوان سے ایک کتاب یادگار چھوڑی ہے جس کا بیشتر حصہ ہندی ادب کے حوالے سے ہے۔اس کتاب کا ایک باب ہندی اور اردو کے علمِ عروض سے متعلق ہے۔اس باب میں انھوں نے دونوں زبانوں کو ایک مرکز سے نمود پاتے دیکھایا ہے۔اس ضمن میں ان کا کہنا ہے کہ، چونکہ یہ دونوں زبانیں ایک گھر سے برآمد ہوئی ہیں، اس لیے ان دونوں زبانوں میں تقریباً ۲۲ اوزان ایک جیسے ہیں۔انھوں نے ہندی اوزان کو تین حصوں میں منقسم کیا ہے۔(۱)جو صرف ہندی پر منطبق ہوں (۲) جو ہندی اور اردو میں یکساں ہوں (۳) اصلاً ہندی اوزان جو تھوڑی بہت تبدیلی کے بعد اردو کے لیے بھی کارآمد ہوں۔فاضل مصنف کا ماننا ہے کہ ہندی اردو کے یہ مشترک اوزان قدیم شعرائے اردو کے ہاں بہ کثرت ملتے ہیں۔علمِ عروض کے اعتبار سے ان کی صرف یہی ایک تحریر ہے جو قابلِ ذکر ہے،اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قواعد کی ترویج میں وہ کس مقام پر کھڑے ہیں۔

سید ظہیر الدین احمد

سید ظہیر الدین احمد نے "علمی قواعد اردو" تین حصوں میں مرحلہ وار تحریر کی ہے۔اس کتاب کا بنیادی مقصد ابتدائی کلاسوں کے طلبا کی قواعد شناسی تھا۔اگر کہا جائے کہ کتاب ہذا کا ابتدائی حصہ قواعد کے متعلق ماحول تیار کرنے کے لیے لکھا گیا تھا تو غلط نہ ہو گا۔اس حصے میں انھوں نے طلبا کی توجہ قواعد کی جانب گامزن کرنے کا التزام کیا ہے۔قواعد میں اس حصے کی کوئی اہمیت نہیں لیکن یہ ابتدائی کلاسز کے طلبا کو قواعد کی طرف راغب کرنے کے لیے اہم ہے۔

کتاب ہذا کا دوسرا اور تیسرا حصہ

کتاب ہذا کا دوسرا اور تیسرا حصہ قواعد کے اعتبار سے اہم ہے۔فاضل مصنف کا طلبا کو قواعد سمجھانے کا طریقہ سب قواعد نویسوں اور ماہرین سے جدا ہے۔انھوں نے اس چیز کا التزام کیا ہے کہ کوئی بھی موضوع بچوں کو سمجھانا ہے تو اس کے لیے وہ ایک کہانی پیش کرتے ہیں جس کو پڑھنے کے لیے طلبا میں ایک اشتیاق سا پیدا ہوتا ہے۔مثلاً اگر انھوں نے اسم علم کی اقسام اور تعریفوں کا تذکرہ کرنا ہے تو وہ ایک ایسی کہانی سامنے لائیں گے جس میں، لقب، خطاب، کنیت، تخلص اور عرف وغیرہ کا استعمال ہو۔بڑی جاذب نظری سے کہانی پیش کر کے اُس میں سے بچوں کو یک بعد دیگرے بتاتے جائیں گے کہ فلاں خطاب کے زمرے میں شمار ہو گا فلاں لقب اور کنیت کے لیے، المختصر یہی اُن کا خاصا ہے کہ عام سطح پر آکر اپنے خیالات پیش کر رہے ہیں۔اُنھوں نے اپنی اِس کتاب میں فعل اور فعل کی مختلف حالتوں، اسم اور اسم کی حالتوں کو ضرورت کے مطابق پیش کیا ہے۔کتاب کا تیسرا حصہ بھی

مذکورہ بالا طریقے کے مطابق ہے۔اِس حصے میں انھوں نے کہانیوں میں سے بچوں کو ڈھونڈ کر بتایا ہے کہ یہ اسم جامد کہلاتا ہے،اِسے مصدر کہتے ہیں اور یہ مشتق ہے۔انھوں نے مثالوں سے واضح کیا ہے کہ جامد کیوں ہے مشتق کی خوبی کیا ہے اور مصدر کون سے ہوتے ہیں۔اِسی حصے میں انھوں نے حرف کی تعریف اور حروف کی مختلف اقسام کا تذکرہ کیا ہے، نیز حرفِ ربط و عطف اور اضافت وغیرہ کی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ قواعد و گرامر کے اعتبار سے اُن کی اِس کاوش کو نہ سراہنا علمی تعصب کہلائے گا۔انھوں نے اِن تین حصوں میں جس قدر خوبصورتی سے قواعد کی نشاندہی مثالوں اور تعریفوں کے ساتھ کی ہے مجھے یقین ہے آج بھی اگر اِس کتاب کو سکولوں کالجوں کے نصاب میں رکھا جائے تو طلبا اِس سے کافی حد تک استفادہ کر سکتے ہیں۔اگر اُن کی خدمات کا موازنہ ابو اللیث صدیقی سے کیا جائے تو میرے خیال میں ابو للیث صدیقی کی کاوش اِن سے بدرجہ بر تر ہے۔میں ظہیر الدین احمد کو احقر نہیں کہہ رہا میرا مطلب ہے کہ ابو للیث صدیقی کی محنت اِن سے کہیں زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ مجموعی طور پر اِن کی کتاب قواعد کے اعتبار سے قابل تعریف ہے امید ہے جب کبھی اردو قواعد کی تاریخ لکھی جائے گی۔اِن کی کتاب کو ضرور شامل کیا جائے گا۔

محمد انصار اللہ

اصول و قواعد کے حوالے سے محمد انصار اللہ کا نام بھی قابل ذکر ہے۔انصار اللہ نے مسلم یونیورسٹی سے وابستہ رہتے ہوئے دو کتب "اردو نحو" اور "اردو کے حروف تہجی" جبکہ گل کرسٹ کے رسالے کو "قاعدہ ہندی ریختہ" کے نام سے ترجمہ کیا۔انھوں نے اِن کتب میں قواعد کے مختلف پہلوں کا احاطہ کیا ہے۔"اردو کے حروف تہجی" میں دو باب ہیں جن میں سے ایک باب "اردو کے حروف تہجی" کے عنوان سے ہے اِس باب میں انھوں نے اردو کے حروف جن زبانوں سے ماخوذ ہیں اِس کی وضاحت کی ہے۔نیز یہ بھی واضح کیا ہے کہ اردو کی حروف تہجی میں کل کتنے حروف ہیں۔اِن حروف نے سب سے پہلے کس مقامی زبان میں اپنے لیے جگہ بنائی۔مثلاً وہ، ٹ، ڈ اور ڑ کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ حروف دراوڑی سے سنسکرت اور سنسکرت کے بعد بتدریج اردو میں شامل ہوئے۔فاضل مصنف نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ اردو اور ہندی کے کون سے حروف مشترک ہیں عرض یہ کہ فارسی اور عربی میں استعمال ہونے والے حروف کا تعین بھی کیا ہے۔

"اردو نحو"

قواعد کے اعتبار سے اُن کی دوسری اہم کتاب "اردو نحو" ہے۔یہاں انھوں نے اسم اور اِس کی مختلف حالتوں مثلاً جنس اور تعداد وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے۔انھوں نے بتایا کہ اسم کی حالت کے تبدیل ہونے سے اسم کے بعد میں آنے والے الفاظ بھی جمع یا واحد کی شکل میں مذکر مونث کے اعتبار سے اپنی حالت بدل لیتے ہیں، نیز یہی کام تعداد کے کم یا زیادہ ہونے سے ہوتا ہے۔انھوں نے بتایا کہ جب طوری حالت ہوتی ہے تو بعض اوقات جزو کا ذکر کرتے ہوئے کل مراد لیا جاتا ہے۔فاضل مصنف نے اِس کتاب میں جملوں کی ساخت اور بناوٹ کے اصول بھی بیان کیے ہیں۔ جملے کے متعلق انصار اللہ کا کہنا ہے کہ:

"کلام تام یا جملہ وہ ہے جس سے سننے والے کو پوری بات معلوم ہو جائے۔ کوئی جملہ بغیر فعل کے مکمل نہیں ہوتا اور ہر فعل کے لیے کم سے کم ایک فاعل ضروری ہے اور جب فعل متعدی ہو گا تو اس کے لیے مفعول بھی ضروری ہو گا یعنی جملہ کم سے کم ایک فعل اور ایک یا دو اسم کا مجموعہ ہوتا ہے۔"[3]

نیز انھوں نے مرکب تام اور مرکب ناقص کو مثالوں سے واضح کیا اور بنانے کے اصول بھی بتائے ہیں۔ موصوف نے مرکب ناقص کی دونوں اقسام مرکب امتزاجی اور غیر امتزاجی پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، مرکب کی مختلف اقسام مثلاً مرکب اضافی، مرکب ظرفی اور مرکب عطفی وغیرہ کا ذکر بھی بہ خوبی کیا ہے۔ الغرض "اردو نحو" بھی قواعد کا ایک حسین مرقع ہے۔ اِس میں انھوں نے جن اصولوں کا تذکرہ کیا ہے اِن میں قارئین کے لیے استفادے کا سامان بدرجۂ غایت پایا جاتا ہے۔

گل رسٹ کے رسالے کی جانچ پڑتال

" قاعدہ ہندی ریختہ "میں فاضل مصنف نے گل رسٹ کے رسالے کو جانچ پڑتال کے بعد بڑی محنت سے ترجمہ کیا ہے۔ اِس کی اہم خوبی یہ ہے کہ گل کرسٹ کی زبان دانی اور اردو زبان کے لیے اُن کی کاوش کا پتا چلتا۔ اِس رسالے سے اسم نکرہ، اسم معرفہ اور اسم کی معنی کے لحاظ سے تقسیم کے در وا ہوتے ہیں۔ ان اقسام کو سمجھنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ ایک غیر زباں کے طریقہ تحریر کو سمجھنا مشکل ہے۔ نیز اِس میں تذکیر و تانیث، واحد جمع فعل کی تعریف اور فعل کی مختلف اقسام یعنی لازم اور متعدی وغیرہ کا بھی پتا چلتا ہے۔ قصہ کوتاہ قواعد کے جن اصولوں کو فاضل مصنف نے پیش کیا ہے وہ تمام اصول بڑی جانفشانی، محنت اور خوبی سے انجام دیئے گئے ہیں۔ اِن اصولوں کو پڑھنے سے قارئین کو قواعد و گرامر کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے اور اُن کو سمجھنے کا موقع بھی ملتا ہے۔ محمد انصار اللہ کی یہ کاوش قابل تحسین ہے۔ انھوں نے مسلم یونیورسٹی سے وابستہ رہتے ہوئے لسانیاتی خدمات میں خوب ہاتھ بٹایا ہے۔ اُن کی اِس کاوش سے مفر ناممکن ہے۔ اُن کی کتب کی اہمیت اپنی جگہ قائم ہے لیکن اُن کو اہم قواعد داں کہنا غلط ہو گا۔ جبکہ اُن کی محنت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مسعود حسین خاں

مسعود حسین خاں کا تذکرہ بھی قواعد کے حوالے سے اہم ہے۔ مسعود حُسین خاں نے اردو لسانیات کے تمام شعبوں کو روشنی بخشی ہے۔ قواعد کے اعتبار سے اُن کی کوئی خاص کاوش نہیں ہے۔ اُنھوں نے قواعد پر صرف ایک باب رقم کیا ہے۔ اُنھوں نے "مضامین مسعود" میں "اردو قواعد کی بے قاعدگیاں" کے نام سے واضح کیا ہے کہ اردو قواعد و گرامر میں کون سے تسامحات پائے جاتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ ہم اکثر واحد حاضر "آپ" کو تعظیماً جمع کے صیغے سے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اِسی آپ کو واحد غائب کے طور پر جمع استعمال کرنا نامناسب ہے مثلاً "آپ گھر نہیں ہیں" کہنا فاضل مصنف کے نزدیک سہو ہے۔ الغرض اُن کی قواعد میں کوئی بہت خاص محنت نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ قواعد پر قلم اُٹھاتے تو اِس کا حق ادا کر دیتے لیکن وہ لسانیات کی دیگر شاخوں کی طرف راغب رہے شاید اس لیے اِس موضوع پر کوئی خاص توجہ نہ دے سکے۔

مجموعی طور پر مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ کی قواعد و گرامر کے اعتبار سے درجہ بندی کی جائے تو کسی بھی استاد کو مکمل نہیں کہا جاسکتا۔ اِن اساتذہ نے قواعد کو تکمیل کی حد تک نہیں پہنچایا البتہ جو کچھ انھوں نے پیش کیا ہے اُس اعتبار سے ابو للیث صدیقی کو پہلے انصار اللہ کو دوسرے اور ظہیر الدین احمد کو تیسرے نمبر پر رکھا جاسکتا ہے۔ اِن اساتذہ نے بڑی محنت سے اردو کے قواعد و اصول کو جمع کیا نیز اُن کو بیان کرنے کا حق ادا کیا ہے۔ اگر اِن تمام اساتذہ کی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو تقریباً ۷۰% قواعد کا علم حاصل کیا جاسکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کسی نے بھی سارے موضوعات کا تذکرہ نہیں کیا البتہ تھوڑا بہت کام سب نے کیا ہے۔ جب تک اردو زبان زندہ ہے ان کا نام یونہی گونجتا رہے گا۔

جدید لسانیاتی مباحث کے حوالے سے اساتذہ کی خدمات کا موازنہ

دور حاضر میں جدید لسانیاتی مباحث انتہائی قابل غور اور قابل فہم تصور کیے جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ قدیم اور روایتی مباحث ایک عرصے سے قابل توجہ رہے پھر ایک وقت آیا کہ اُن پر مزید کسی قسم کی گفتگو کرنا تضیع اوقات سمجھا گیا، لیکن جدید لسانیاتی مباحث نئے دور کے عین مطابق ہیں اور زبان کو سائنسی طریقے سے پرکھنے کا کام کرتے ہیں۔ اِس کے برعکس روایتی اور قدیم اصول زبان بننے اور استعمال کرنے تک محدود تھے لیکن جدید مباحث میں بنی ہوئی زبان کو گہرائی میں جاکر مطالعہ کیا جاتا ہے۔ جدید مباحث میں لکھی ہوئی زبان سے زیادہ اہم بولی ہوئی زبان کو سمجھا جاتا ہے۔ اِس میں آواز کی چھوٹی سے چھوٹی اکائی سے لے کر لفظ کی چھوٹی اکائی پر غور وخوض کیا جاتا ہے۔ جدید لسانیات میں خزانہ الفاظ کے اکٹھے ہونے پر گفتگو نہیں کی جاتی کہ یہ الفاظ کس زبان سے در آئے ہیں۔ جدید لسانیات میں تو جمع شدہ الفاظ کو توڑ کر جدا کرکے الگ الگ رکھ کر دیکھا جاتا ہے کہ اِن میں مصوتہ کونسا ہے مصمتہ کسے کہا جاسکتا ہے اور نیم مصوتہ کیا ہوگا۔ جدید لسانیات میں صرف بولی جانے والی زبان موضوع گفتگو بنتی ہے۔ لسانیات کے متعلق اقتدار حسین خاں کا کہنا ہے کہ:

> "زبان آوازوں یا اصوات کا مجموعہ اور ترتیب ہے۔ لسانیات میں انسان کے اعضائے تکلم سے ادا کی جانے والی آوازیں ہی اہم ہیں۔ اشاروں کی زبان یا تحریر لسانیات میں مرکزی حیثیت نہیں رکھتے۔۔۔۔۔۔۔ اس طرح انسان کے منہ سے ادا ہونے والے سب ہی کلمات چاہے وہ ایک لفظ ہو یا ایک جملہ اہم ہیں اور انہی کا ہم مطالعہ کرتے ہیں۔"[4]

الغرض جدید لسانیاتی حوالے سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اساتذہ نے بھرپور خدمات انجام دی ہیں جن کا موازنہ یہاں پیش کیا جائے گا۔

جدید لسانیاتی مباحث کے حوالے سے مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ میں اولین نام اقتدار حُسین خاں کا ہے۔ اقتدار حُسین خاں نے ادارے سے وابستہ رہتے ہوئے جدید لسانیات پر تین کتب تحریر کیں۔ اِن کتب میں جدید لسانیاتی مباحث کے اکثر موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اِس ضمن میں اُن کی اولیں کتاب "اردو صرف ونحو" ہے۔ اِس کتاب میں انھوں نے

مارفولوجی یعنی تشکیلیات کا تذکرہ کیا ہے آسانی کے لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ صرف کا جدید نام مارفولوجی ہے، مارفولوجی میں الفاظ کو موضوع گفتگو بنایا جاتا ہے۔ اِس لیے لفظ کی چھوٹی سے چھوٹی اکائی کو معنوی اعتبار سے دیکھنا مارفولوجی کہلاتا ہے۔ مارفولوجی میں الفاظ کو مختلف طریقوں (مارفیم، آزاد مارفیم اور پابند مارفیم) سے پرکھا جاتا ہے۔ فاضل مصنف نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ مارفیم کو مزید چار اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اقتدار حُسین خاں نے بتایا ہے کہ الفاظ کو صرف لغوی معنی سے ہی نہیں پرکھتے بلکہ قواعدی، مارفیمی، نحوی اور اسلوبیاتی طریقے سے بھی دیکھا جاتا ہے۔ یہ کتاب "صرف" یعنی الفاظ کی ہر طریقے سے جانچ پڑتال کرتی ہے کبھی لفظ کو مسلسل مارفیم کے ضمن میں دیکھتے ہیں، کبھی خالی مارفیم کے طور پر اور بعض اوقات دوہٹا مارف موضوع گفتگو بنتا ہے۔

اقتدار حُسین خاں کی قابلیت

اقتدار حُسین خاں نے فونیم، مارفیم، الومارف، صوتی مشروط، لفظی مشروط، نحوی مشروط الغرض ایک لفظ کو ہر اعتبار سے پرکھ کر نہ صرف اُس کا مقام متعین کیا بلکہ اِن اصطلاحات کی تعریفیں اور مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ اِس کتاب میں الفاظ کو پرکھنا، کھولنا اُن سے معنی متعین کرنا، الفاظ کی اہمیت کا ذکر کرنا اور اِن الفاظ کی بناوٹ میں کونسے اصول کارفرما ہیں یعنی تمام موضوعات کو بڑی خوبی اور مہارت سے بیان کیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ مارفولوجی کی اکثر اصطلاحات اِس کتاب میں جمع کر دی گئی ہیں تو غلط نہ ہو گا۔ مارفولوجی کی ابتدائی معلومات کے لیے اگر یہی ایک کتاب پڑھ لی جائے تو کافی ہو گی۔

"صوتیات اور فونیمیات"

جدید لسانیاتی مباحث کے حوالے سے اُن کی دوسری اہم کتاب "صوتیات اور فونیمیات" ہے، اِس کتاب میں فاضل مصنف نے بتایا ہے کہ آواز کو سائنسی طریقے سے جانچنا صوتیات کہلاتا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ صوتیات کی اہمیت کیا ہے، سمعیاتی صوتیات کیا ہوتی ہیں، نیز سمعیاتی صوتیات کی مختلف شاخیں کونسی ہیں۔ صوتیاتی ماہرین الفاظ اور آواز کے اُتار چڑھاؤ، غصہ، خوشی، لہجے کا دھیما اور اونچا ہونا اور معتدل آوازوں کا تجزیہ کرتے ہیں۔ انھوں نے واضح کیا کہ ماہر صوتیات الفاظ کی منہ سے کان تک رسائی کے تمام مراحل کو دیکھتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ لفظ اخراج کے وقت منہ کے کس حصے سے ٹکرایا نیز کان تک پہنچنے میں لفظ کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، الغرض انھوں نے مرکب اور مفرد آوازوں کا جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ فاضل مصنف نے یہ بھی واضح کیا کہ اگر آواز میں لرزش ہو تو اُسے اصطلاح میں دور کہتے ہیں، لرزش سے جب اعضائے تکلم میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے تو اسے گونج کہتے ہیں، اگر بھاری آواز کو نحیف کر کے پیش کیا جائے تو یہ صوتیاتی اصطلاح میں چھلنی کہلاتی ہے اور ان تمام آوازوں کو ماپنے والا آلہ اصطلاح میں سپیکٹرم کہلاتا ہے۔ یہ کتاب چونکہ صوتیات سے متعلق ہے اِس لیے اِس میں سب سے اہم حصہ اعضائے تکلم کا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ آواز پیدا کرنے میں سانس بھرپور خدمت انجام دیتا ہے۔ پھیپھڑے ہوا کو اندر کی جانب کھینچ کر محفوظ کرتے ہیں۔ دورانِ گفتگو یہی ہوا مختلف اعضا سے ٹکراتی ہوئی باہر کی جانب سفر کرتی ہے کبھی کسی عضو سے ٹکراتی ہے اور کبھی

کسی سے ہوا کا یک دم باہر نکلنا رک رک کر نکلنا اور چند ساعتوں کے لیے مکمل رک جانا یا ناک سے باہر آنا الغرض تمام عوامل میں مختلف طرح کی آوازیں بر آمد ہوتی ہیں۔ اعضائے تکلم میں حنجرہ، زبان، دانت، ہونٹ اور لثہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ فاضل مصنف نے واضح کیا کہ تنفسی اور غیر تنفسی آوازیں کونسی ہیں اور اِن کے اخراج کا کیا طریقہ کار ہے۔ اقتدار حُسین خاں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ دو ہونٹوں کے ملنے سے کونسی آوازیں پیدا ہوتی ہیں، ہونٹ اور زبان کے ملاپ سے کونسی، زبان اور دانت کے ملنے سے کونسی اور اگر زبان تالو کو چھوئے تو کونسی آوازیں بر آمد ہوتی ہیں۔ قصۂ مختصر اِس کتاب میں آواز کے اخراج کے تمام اصول مد نظر رکھے گئے ہیں اور اُن کی وضاحت انتہائی آسان الفاظ میں کر دی گئی ہے۔

"لسانیات کے بنیادی اصول"

اقتدار حُسین خاں کی تیسری کتاب "لسانیات کے بنیادی اصول" ہے، اِس کتاب کا آغاز بھی سابقہ کتاب کی طرح صوتیات سے ہوتا ہے اِس میں بھی اعضائے تکلم کا تذکرہ بڑے خوبصورت اور تحقیقی طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔ فاضل مصنف نے واضح کیا کہ اگر الفاظ کی ادائیگی کے وقت ہوا اعضائے تکلم سے ٹکرائے تو مصمتے بر آمد ہوتے ہیں اور اگر ہوا بغیر ٹکرائے خارج ہو جائے تو مصوتے بر آمد ہوتے ہیں۔ اِس کتاب میں زبان کے تین حصوں (اگلا، پچھلا اور درمیانی) کا ذکر بھی کیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ اگلا حصہ کس طرح کی آوازیں خارج کرنے کے کام آتا ہے درمیانی حصہ منہ کے اندر کس عضو سے ٹکرئے تو ہوا کے بہاؤ میں کمی آتی ہے نیز آخری حصے پر ہوا کو روکا جائے تو کونسے الفاظ بر آمد ہوتے ہیں۔ اِس ضمن میں ہم آسانی سے مقام تلفظ، طرز تلفظ، دوران گفتگو پیدا ہونے والا ارتعاش اور حرکت کرنے والے اعضا کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ اِس کتاب میں آواز کی ادائیگی کے دوران حرکت کرنے والے اور ساکن رہنے والے تمام اعضا کا تعارف کروایا گیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ باریک بینی سے اعضائے تکلم کو دیکھنا فونیمیات کہلاتا ہے یعنی آواز کہاں انفی ہوئی، کہاں دولبی، کہاں لب دانتی اور کہاں بغیر رگڑ کھائے بر آمد ہوئی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ آواز کا پیدا ہونا صوتیات اور آواز کے مذکورہ مراحل کو دیکھنا فونیمیات ہے۔ اقتدار حُسین خاں نے جدید لسانیاتی مباحث کے اکثر و بیشتر نظریات کو بڑی خوبی سے پیش کیا ہے۔ جدید لسانیاتی موضوعات جتنے ثقیل اور گنجلک ہیں فاضل مصنف نے اتنے ہی آسان اور عام فہم انداز میں سمجھائے ہیں۔

عتیق احمد صدیقی کی کتاب "توضیحی لسانیات"

جدید لسانیاتی حوالے سے عتیق احمد صدیقی کی کتاب "توضیحی لسانیات" بھی قابل ذکر ہے۔ جیسے کہ پچھلے صفحات میں تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ کتاب ہذا ایچ اے گلیسن کی تصنیف کا ترجمہ ہے جسے عتیق احمد صدیقی نے بڑے زبردست انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب کا اکثر حصہ جدید لسانیاتی مباحث کے متعلق ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ فاضل مصنف نے انگریزی کی مثالیں پیش کی ہیں۔ جن کو عام قاری آسانی سے سمجھ نہیں پاتا۔ وہ اِس کتاب میں انگریزی مصوتے، انگریزی مصمتے، انگریزی کا مصوتی نظام، انگریزی کے بل، سر اور گونج غرض یہ کہ فونیم، مارفیم، وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہیں دقت صرف یہ ہے کہ یہ تمام اصطلاحات

انگریزی کی مثالوں کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔ اردو کے طلبا کے لیے اِن کو سامنے رکھتے ہوئے اردو کی مذکورہ اصطلاحات کے بارے میں جانکاری حاصل کرنا انتہائی دشوار ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اردو کے "ت" کو انگریزی میں T سے بدل دیا جاتا ہے جو کہ "ت" اور "ٹ" دونوں کا کام کرتا ہے۔ اسی طرح اردو کے فونیم اور انگریزی کے فونیم میں فرق پایا جاتا ہے۔ یہ کتاب لسانیاتی اعتبار سے اہم ہے، ہم اِس کتاب سے اکثر اصطلاحات کے بارے میں علم حاصل کر لیتے ہیں لیکن اردو لسانیات کی تمام الجھنوں کو سلجھانا اِس کتاب کا کام نہیں۔ لیکن اِس سے فاضل مصنف کی محنت کو رائیگاں بھی نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر کہا جائے کہ جدید لسانیات کے ضمن میں اچھی کاوش ہے لیکن اردو لسانیات میں اِس کا وہ مقام نہیں جو اقتدار حُسین کی کتب کا ہے تو غلط نہ ہو گا۔

مرزا خلیل احمد بیگ نمایاں استاد

مرزا خلیل احمد بیگ کا نام بھی مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ میں نمایاں ہے۔ انھوں نے جدید لسانیات میں کوئی خاص کام نہیں کیا۔ جدید لسانیاتی حوالے سے اُن کا صرف ایک موضوع قابل قدر ہے۔ اِس میں انھوں نے اردو کی معکوس آوازوں کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ مضمون اُن کی کتاب "اردو کی لسانی تشکیل" میں شامل ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ اردو کی آوازوں کو دو گرہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے مصوتی اور مصمتی۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ مصوتی آوازیں پراکرت سے جبکہ؛ مصمتی آوازیں جدید ہند آریائی سے اردو میں شامل ہوئی ہیں۔ انھوں نے اردو الفاظ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ الفاظ خواہ ہندی سے ہی آئے ہوں لیکن یہ مختصر مصوتے پر ختم نہیں ہوتے۔

"لسانی مسائل و مباحث"

جدید لسانیاتی حوالے سے خلیل احمد بیگ کی دوسری اہم کتاب "لسانی مسائل و مباحث" ہے، اِس کتاب میں ایک باب کا کچھ حصہ جدید لسانیات کے موضوع صوتیات سے متعلق ہے۔ اِس میں انھوں نے واضح کیا ہے کہ اردو میں کل ۴۷ صوتیے یعنی آوازیں ہیں جن میں سے ۳۷ مصمتے اور ۱۰ مصوتے ہیں۔ جدید لسانیاتی حوالے سے مرزا خلیل احمد بیگ کے ہاں اتنی وسعت اور ہمہ گیری نظر نہیں آتی۔ مجھے امید ہے اگر وہ اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار وسیع پیمانے پر کرتے تو جدید لسانیات کی بہت خدمت کرتے۔

کتاب "اردو لفظ کا صوتیاتی اور تجز صوتیاتی مطالعہ"

جدید لسانیاتی حوالے سے مسعود حسین خاں کی اہم ترین کتاب "اردو لفظ کا صوتیاتی اور تجز صوتیاتی مطالعہ" ہے۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے لفظ کی تعریف، لفظ کا تعین کرنے والے اصول، صوت رکن اور صوتیاتی ساخت، نیز اردو لفظ کی تجز صوتیاتی ساخت، انفیت اور معکوس آواازوں کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اردو میں موجود معکوس آوازوں کے بارے میں فاضل مصنف رقم طراز ہیں کہ:

"اردو میں معکوسیت نہ تو بہت واضح ہے اور نہ بہت وسیع جیسا کہ جنوب کی چند ہند آریائی اور دراوڑی زبانوں میں۔ ہم دیکھتے ہیں بہت سی اصل معکوسی آوازوں کی اپنی خصوصیات اردو میں آنے کے بعد ختم ہو گئیں۔ فارسی کے اثرات، بل عموم مسلم تہذیب کی وجہ سے موجودہ معکوسی آوازوں میں حد درجہ تبدیلی واقع ہوئی۔"[5]

مضمون "اردو کی صوتیاتی شناخت"

مزید یہ کہ مسعود حسین خاں اپنی کتاب کے ایک مضمون "اردو کی صوتیاتی شناخت" میں واضح کیا ہے کہ بیشتر اہلِ زبان اردو کی اکثر آوازوں کو سلیقے سے بیان نہیں کر پاتے۔ ان میں، غ، خ، اور، ق کی آوازیں ایسی ہیں جس کے درست مخرج سے اہل زبان کی اکثریت بھی ناواقف ہے۔ مسعود حسین خاں اعلیٰ پائے کے لسانیات نگار ضرور ہیں لیکن جدید لسانیاتی حوالے سے اُن کی خدمات اپنی مثال آپ ہیں۔

خلاصۂ بحث

مذکورہ بالا تمام تر بحث کے بعد ہم اِس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ نے جدید لسانیاتی حوالے سے پوری جانفشانی سے کام کیا ہے اور اپنے تئیں اس موضوع پر اپنی کاوش باہم پہنچانے میں بھرپور کوشش کی ہے۔ الغرض مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ میں سے جدید لسانیاتی موضوع کے حوالے سے اگر کوئی اولیت کا حقدار ہے تو وہ صرف اور صرف اقتدار حُسین خاں ہے۔ اقتدار حسین خاں نے جدید لسانیات کے بیشتر موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور ان موضوعات پر اپنی تمام تر توانائی صرف کی ہے جس کا ثبوت ان کی کتب کے مطالعے سے بہ خوبی مل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس موضوع میں سب سے اہم نام انھیں کا ہے۔ دوسرے نمبر پر عتیق احمد صدیقی اور تیسرے نمبر پر مسعود حسین خاں کو رکھا جا سکتا ہے۔ قصۂ کوتاہ تمام اساتذہ نے اپنے تئیں بھرپور کاوش کی ہے۔ میرے خیال میں اردو لسانیات کو سمجھنے کے لیے ان اساتذہ کی کتب سے استفادہ کیا جائے تو اردو لسانیات کا بیشتر حصہ ہماری تشنگی کو دور کر سکتا ہے۔ ان اساتذہ کی کاوش کو ہمیشہ تحسین کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔

References

[1] Dr. Mas'ood Hussain Khān, *Urdu ka Almiyya* (Alīgarh: Laitho color Printers, 1973), 61.
[2] Mirzā Khalīl Ahmad Baig, *Urdū Zubān kī Tāreekh* (Alīgarh: Educational Book House, 1995), 62.
[3] Muhammad Ansārullah, *Urdu Nahav* (Alīgarh: Educational Book House, 1975), 47.
[4] Dr. Iqtdaar Hussain Khān, *Lisaniyat k Bunyadi Asool* (Alīgarh: Educational Book House, 1985), 11.
[5] Dr. Mas'ood, *Urdū Lafz kā Sotyati aur Tajziyati Mutāli*ah (Alīgarh: Latho color Printers, 1986), 44.